# انیس ناگی کی نظم نگاری

فردوس ضیا
محمد عالم خاں
عطا الرحمٰن

## Abstract:

The contemporary wave of modern poetry in Urdu literature is of great importance. The key names of this poetic wave who laid its foundation are IftikharJalib, AneesNagi, QamarJameel and certain others. Anees Nagi is the leading figure of this wave. His three collections of poetry came forward one after another which incited the literary critics to analyze his prose-poems. By using unfamiliar terms and modern symbols, he highlighted the issues of the suppressed humanity who were confined in the shackles of brutality and tyranny. The following research critically analyzes the different aspects of AneesNagi's poetry.

1960ء کے بعد اردو نظم جدید کروٹ لیتی ہے، افتخار جالب، انیس ناگی لسانی تشکیلاتی گروپ کے سرخیل بنتے ہیں، جیلانی کامران، سعادت سعید، اختر حسین جعفری اور ساقی فاروقی نئی نظم اور نئے موضوعات کے ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منواتے ہیں۔انیس ناگی روایت سے بغاوت کر کے ایک نئے آہنگ اور مخصوص پیمانے کے تحت نثری نظمیں کہہ کر ملکی گھٹن اور جابرانہ نظام کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے۔انیس ناگی کا شماران شعرا میں ہوتا ہے جو لکیر کا فقیر بنناگوارا نہیں کرتے بلکہ جدید مغربی تقاضوں کو بروئے کار لا کر قصص و روایات اور ظلم واستبداد کی تخلیق کی صورت میں سچی عکاسی کرتے ہیں۔قصص و روایات کا سفر کسی پڑاؤ یا سنگم پر ٹھہرنے کی بجائے مسلسل جاری ہے۔قرآن پاک میں بھی پہلے لوگوں کے قصے موجود ہیں۔عروج و زوال کی داستانیں ہیں۔علوم وفنون کا تذکرہ ہے۔ہمارے شعرا نے اپنے تخلیقی سفر کے ذریعے انسان المیوں کو موضوع بنایا ہے۔سائنسی ترقی، عقل وخرد اور مغربی مفکرین کی آراء کی روشنی میں اپنی سوچ کے دھاروں کو تقویت دی ہے اور اسے عام شاعری کی ڈگر سے ہٹ کر نئی شاعری سے تعبیر کیا ہے۔شیم حنفی اپنی کتاب ''جدیدیت اور نئی شاعری'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''نئی شاعری میں تاریخ کے ایک نئے تصور سائنس اور عقلیت کی مخالفت، مذہب، مابعد الطبیعات

اور لاشعور کے محرکات سے دلچسپی، دیو مالا اور اساطیر کے تذکروں، مراجعت اور فنا پرستی یا جذباتی اشتعال اور اعصابی تشنج کے مظاہر، خودنگری اور سماجی رسوم وقیود سے آزادی کے اشاروں کی بنیاد پر کسی نے جدیدیت کو نئی نسل کے اخلاقی انحطاط، ذہنی کج روی اور اقدار ناشناسی سے تعبیر کیا۔ کسی کو اس میں سیاسی سازشوں کے مخفی سائے مرتعش دکھائی دیے اور کوئی اسے مغرب کے ناراض نوجوانوں بیٹ نسل یا آواں گارد ادیبوں کی اندھی تقلید سمجھا''۔1

نئی شاعری کے قافلے میں شامل شعرا نے خوشہ چینی ہر جگہ سے کی، مغربی ادب بھی ان کے پیش نظر رہا، نو آبادیاتی نظام نے جس طرح محکوم قوموں کے وسائل کی لوٹ کھسوٹ کی، سودی نظام کو فروغ دے کر اپنی تجوریاں بھرنے کا اہتمام کیا، پسماندہ طبقے کو ایک نئے درد والم سے دوچار کیا، اسلامی و مشرقی اقدار کو روندتے ہوئے مغربی تہذیب کی چمک سے متمول لوگوں کو اسیر دام کیا، نئی شاعری میں ان تمام مسائل سے مکالمہ کیا گیا ہے۔ ان کے افکار میں تہذیبی، معاشرتی، جذباتی، مادی اور زندگی کے جملہ رنج و محن شامل ہیں جنہوں نے فرد کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ قاضی سلیم نے بڑے خوبصورت پیرائے میں اپنی نظم میں اس کی عکاسی کی ہے۔ چند لائنیں دیکھیے:

چلو میں بھی تماشائی ہوں خود اپنے جہنم کا
میری دنیا تماشا ہے
میں اپنے سامنے خود کو تڑپتا سر پٹکتا دیکھ سکتا ہوں۔2

ہم نے اپنی خواہشات کی تکمیل اور ایک دوسرے پر برتری پانے کی دوڑ میں اس دھرتی کو جہنم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آئے دن کی جنگ و جدل قتل و غارت گری، آتشیں اسلحے کا بے دریغ استعمال، دہشت گردی، تخریب کاری کے ہم خود تماشائی ہیں اور شکار بھی ہیں۔ اس لیے کہ عصر حاضر اسلحہ سازی کی کارگاہ بن چکا ہے۔ تہذیبوں کی یورش نے دنیا کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے۔ 1857 کے اثرات ابھی تک ہمارے ذہنوں کو جکڑے ہوئے ہیں، بیروت، فلسطین، عراق، شام، لیبیا، سوڈان، ایران، افغانستان، چیچنیا، کشمیر، ہندوستان ہر جگہ مسلمان یہود و ہنود کے عتاب کا شکار ہیں اور مہذب دنیا میں ان کے حقوق کے بارے میں کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ اہل زر اور مقتدر عالمی قوتوں کے ہاتھوں تیسری دنیا کے لوگ یرغمال بنے ہوئے ہیں۔ انکل سام کے ابرو کی ایک شکن پر انہیں نیست و نابود دیا جاتا ہے۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق یو این او کی سلامتی کونسل بھی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مقولے پر عمل پیرا ہے، یہاں مسلمانوں کی کوئی پیش نہیں چلتی۔ ابرو کی ایک جنبش پر کمزور اور قرضوں کی زنجیر میں جکڑے مسلم ممالک ناک رگڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

انیس ناگی کے جذبات ملاحظہ ہوں۔

''ہم فکر روش کی خونریز جنگوں سے فرار ہو کر وقت کی غلام گردشوں میں ہوا کی طرح چھپتے ہوئے،

تمام کوتاہیوں کی حراست سے بچتے ہوئے، اپنے آپ میں پسپا ہو چکے ہیں۔ہم نے ایشیا کے سفید نوآبادیاتی محلوں میں اور مرطوب محاذوں پر انسانی لہو کی ارزانی کی، نسائی تقدس کی بے بسی کی، لمحہ لمحہ داستان سنی ہے''۔3

قرآن پاک میں بار بار فکر و تدبر کی بات کی گئی ہے۔ہم فکر و تدبر کرنے کی بجائے کاہلی، سستی، تن آسانی کا شکار ہو چکے ہیں۔سفید نوآبادیاتی محلوں نے ہماری سوچوں پر بہرے بٹھا دیے ہیں، ہمارے ذہن زنگ آلود ہو چکے ہیں انسانی لہو کی ارزانی اور نسائی تقدس کی بے حرمتی پر ہم بے حس ہو چکے ہیں۔زر، زن، زمین کی حرص نے ہمیں مادہ پرست اور صارفی معاشرہ بنا دیا ہے۔تہذیب مغرب کی چمک نے آنکھوں کو چندھیا دیا ہے۔جس نے ہمیں حقیقی جوہر سے محروم کر دیا ہے۔نئی شاعری میں انھیں مخاطب کیا گیا ہے۔احتشام علی اپنے مضمون "مابعد جدیدحسیت اور معاصر اردو نظم" میں معاصر عہد میں لکھی جانے والی نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک صارفی معاشرے میں زندگی کو اس کی حقیقی قدروں کے تحت جینے کی بجائے میڈیا اور مخصوص مقتدرہ کے وضع کردہ کلامیوں کے تابع کرنا انسانی وجود کو اس کے جوہر سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ایسے میں تخلیقی عمل کے ذریعے ذہن کسی تاریک گوشے میں خلق کردہ کسی روشن وجود کی معیت میں؛ رائیگاں جاتی عمر رواں کو فنا کے اندھیروں سے باہر نکالنے کی خواہش نظم نگار کے گہرے فکری شعور اور داخلی کرب کی صورت گری ہے''۔4

یہی فکری شعور اور داخلی کرب نظم نگار ناگی کے تخلیقی کرب کی صورت میں لفظوں میں ڈھلتا ہے تو اس کے نظمیہ مجموعے بشارت کی رات، غیر ممنوعہ نظمیں، نوحے اور زرد آسمان شاعروں اور نقادوں کے لیے حیرت کا سامان بن جاتے ہیں۔انہیں یہ نظمیں بغاوت کی شکل دکھائی دیتی ہیں۔ناگی ایک ایسا باغی شاعر، جو امراو رؤسا کے مفادات کی بجائے غریبوں، مفلسوں، ناداروں، بیماروں، بے سہاروں، قحط و خشک سالی، مزدوروں کی بدحالی، علما و فضلا کی خستہ حالی، نسائی طبقے کی مفلوک الحالی کی بات کرتا ہے۔ناگی کے لفظوں کا چناؤ، رمز و ایمائیت، علامت نگاری اور نیا لب ولہجہ افتخار جالب کی لسانی تشکیلات کی چغلی کھاتا ہے۔

افتخار جالب نے لسانی تشکیلات کا جو در وا کیا تھا، اس کے اثرات معاصر شعرا نے قبول کیے۔انہوں نے شاعری کی روایتی جکڑ بندیوں کو توڑتے ہوئے اپنی الگ راہ بنائی۔ان کا ساتھ دینے والوں میں ساقی فاروقی، جیلانی کامران، اختر احسن، عباس اطہر، زاہد ڈار، انیس ناگی، گوہر نوشاہی، عبدالرشید، فہمیدہ ریاض اور دیگر شعراء شامل ہیں۔انیس ناگی کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے اس جہان فانی میں اظہار ذات سے وجود اور وجود سے فنا تک جو رنج والم اٹھائے، اپنی نظموں میں اس کا برملا اظہار کیا۔انہوں نے سراب کے پیچھے بھاگنے کی بجائے پوری توانائی کے ساتھ معاشرتی تلخیوں کا سامنا کیا۔ان تلخیوں اور معاشرتی کجرویوں نے انیس ناگی کے اندر ایک نیا انسان پیدا کیا،

جو معاشرتی بے اعتدالیوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر انسانیت کی فلاح و بقا اور معاشرتی آسودگیوں کے لیے برسر پیکار دکھائی دیتا ہے۔شمیم احمد لکھتے ہیں:

''انیس ناگی کی شاعری کے اسباب تہذیبی بھی ہیں اور نفسیاتی بھی۔تہذیبی اس اعتبار سے کہ موجود معاشرہ اقدار کے جس بحران اور نظریات کی جس پیکار کا شکار ہے،اس نے فکر کے توازن اور جذبے کی تنظیم و تنقیہہ کی راہیں دشوار کر دی ہیں۔پرانے وقتوں میں اگر کسی فرد کے جذبات میں ابتری پیدا ہوتی تھی تو منظّم اقدار یا منظّم معاشرہ کسی نہ کسی شکل میں اس کی دلجوئی اور تشفی کے لیے موجود ہوتا تھا،اب یہ جذباتی سہارے باقی نہیں رہے''۔5

زمانہ قدیم میں لوگوں میں رواداری تھی،خلوص تھا،ایثار تھا،جذبہ باہمی کے تحت ایک دوسرے کی پریشانیوں کا حل نکل آتا تھا۔مل بانٹ کر کھانے کی عادت تھی،ذخیرہ اندوزی،زر اندوزی،مال و زر پر غاصبانہ قبضے کی روایت نے جڑ نہ پکڑی تھی،معاشرہ پر امن تھا،لوگ چوپالوں میں بیٹھ کر بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت ایک دوسرے کے مددومعاون تھے۔معاشرے کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔شعرا بھی آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی قوتوں کے ذریعے لوگوں کے لیے دل بستگی کا سامان کر رہے تھے۔1960 کے بعد معاشرتی اقدار پلٹا کھاتی ہیں۔نئی شاعری کے روپ میں شاعری کے روایتی بندھن سے ناتا توڑ کر آزاد شاعری کی طرف توجہ کی جاتی ہے،نئے اسالیب اختیار کیے جاتے ہیں،آزاد نظم،معریٰ نظم، نثری نظم میں کتھارس ہوتا ہے۔نئی شاعری کے اصول وضوابط مرتب ہوتے ہیں۔انیس ناگی اور ان کے ہم عصر ایک ساز اور آہنگ کے ساتھ نثری نظمیں کہہ کر ماضی،حال اور مستقبل کی بات کرتے ہیں۔ان کا کینوس ایک خطے تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر خطے پر محیط ہے۔ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی اسی کینوس،نظم کے اسلوب کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''1960 اور 1970 کے درمیان کے شعرا کی نمایاں خصوصیت تنوع،رنگارنگی اور پہلوداری ہے۔ نئی شاعری اب آزاد نظم کے مترادف نہیں سمجھی جاتی،اس کی متعین اور سکہ بند ہیئت ہے اور نہ اس کا بندھا ٹکا اسلوب،پابند،معریٰ،آزاد ہر طرح کے اسالیب میں نئی جہتیں پیدا ہوئی ہیں اور نئی حسیت نے ان میں تازگی پیدا کی ہے''۔6

''بشارت کی رات'' کی نظمیں نئی حسیت اور تازگی کا معطر جھونکا ہیں ان نظموں میں انیس ناگی نے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں،من کے ان سلے گھاؤ دکھائے ہیں،سلگتے جذبات کو پبلک کیا ہے، پبلک کے ناگفتہ بہ حالات کو ایڈریس کیا ہے۔دعا،اندھا لڑکا،میں کہ درویش ہوں،بیمار لڑکے کا باپو،ضدی بچے کے کھلونے،گندہ خون، میری دلہن کی نائیکہ،میرے لہو کا عذاب،مجھے شرم آتی ہے،وراثت کا خوف،سہاگ دن،بشارت کی رات،دو جہنمی دوست،حرف ایک جنگل،مسخ چہرہ،مردوں کی صف میں زندہ،ایسی نظمیں میں جو کشمکش اور تصادم کا رزمیہ ہیں۔یہ

نظمیں شاعر کی اپنی ذات کا رزم نامہ ہیں جو دنیا کے حالات و واقعات پر محیط ہیں۔شاعر انسانی اقدار کی شکست و ریخت پر نوحہ کناں ہے۔اسی لیے ان کی نظموں میں حقیقت اور تجرید کا امتزاج نمایاں ہے۔
عبدالحق "بشارت کی رات" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''بشارت کی رات''میں حقیقت اور تجرید کا ایسا امتزاج نظر آتا ہے جو سماجی حقائق کو من و عن پیش کرتے ہوئے اس کی Dimensions کو بدل دیتا ہے یہ ایک طرف تو عہد حاضر کے انسان کی جد و جہد، اس کی امنگوں، آرزوؤں اور شکستوں کو پیش کر کے ہمارے اندر جذباتی ترفع پیدا کر کے شاعر کی داستان ایک زمانے کی حکایت کے طور پر پیش کرتا ہے اور دوسری طرف ہماری شعری آب و ہوا کی روایت میں اظہار کی جدت کی کشمکش کو پیش کرتا ہے۔"بشارت کی رات" کی معنویت کو پانے کے لیے اسے بدلے ہوئے ذہنی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ روایتی نظریہ شعر کی بنیاد جذبہ کے معین خطوط اور ان کا منطقی اظہار ہے۔''بشارت کی رات''شعری مجموعہ مروجہ نظریہ شعر سے واضح انحراف اور شاعری کی نئی تعبیر کی ایک نمایاں کوشش ہے''۔7

"بشارت کی رات" میں پینتیس نظمیں ہیں۔یہ نظمیں انیس ناگی کے خون جگر کی کاوش ہیں۔ان نظموں کی تخلیق میں ناگی نے جگرسوزی کی ہے، آنکھوں کا تیل ٹپکایا ہے، اپنی ذاتی آسودگیاں اور خواہشات تج کر اپنے تدبر، فکر اور چھٹی حس کو بروئے کار لا کر مزرع سخنوری کو شادابی عطا کی ہے۔ناگی نے معاشرتی المیوں کو جس ڈھب سے پیش کیا ہے اس کی بدولت خود ساختہ معاشرتی آقاؤں کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور معاشرے کے متوسط طبقے کے مسائل اجاگر ہوتے ہیں ان کی نظم "میرا شہر لاہور" کی چند لائنیں دیکھیے۔

''صبح روشن ہوئی لڑکیاں عورتیں بن گئیں۔
کنپٹی پر سفیدی کی لہریں اڈنے لگیں۔
اور راوی بھی رستہ بدل دوسرے پاٹ بہنے لگا۔
درختوں کی مانند اگتی ہوئی نسل پانی کی محتاج تھی''۔8

نظم کی مذکورہ لائنیں ناسٹلجیا کی مکمل عکاس ہیں۔وہ اپنے بچپن اور ماضی کے حسین جھروکوں میں جھانکتا ہے تو اس کی ہمجولیاں جو معصومانہ شرارتوں اور دلفریب سہانے خوابوں میں ڈوبی رہتی تھیں، وہ ایک مکمل عورت کا روپ دھار چکی ہیں یہاں تک کہ ان کی کنپٹیاں بھی چاندی کی چمک سے آراستہ ہو چکی ہیں۔دریائے راوی جو کبھی بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کی فصیل کے ساتھ ساتھ رواں دواں تھا، راستہ بدل کر کئی میل دور اپنی گذر گاہ بنا چکا ہے اور دوسروں کو سیراب کرنے والا خود پانی کی کمیابی کا شکار ہے۔ لاہور جو کبھی اندرون بھاٹی سے چوبرجی تک کی حدود رکھتا تھا، آبادی کے بے تحاشا دباؤ اور دوسرے علاقوں سے لاہور میں نقل مکانی نے اب اسے بے فصیل کر دیا ہے، اب

مشرق،مغرب،شمال،جنوب لاہور ہی لاہور ہے۔پنجاب کہیں نظر نہیں آتا۔بڑھتی ہوئی آبادی صاف پانی اور زرعی پانی کے لیے ترساں ولرزاں ہے۔یہ دوراندیشی ہے جو ناگی نے اپنی نظموں میں 1968 میں پیش کردی تھی لیکن من حیث القوم ہم عارضی اور وقتی انتظام کرتے ہیں،مستقبل کی پیش بندی اور گہرائی دکھائی نہیں دیتی۔کراچی کی مثال موجود ہے جہاں کی آبادی پانی کے لیے ترس رہی ہے لیکن ارباب اختیار اپنی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ناگی اوران کے ساتھی شعرانے نئی شاعری کے توسط سے ملکی اور بین الاقوامی حالات خصوصا تیسری دنیا کے لوگوں کے جن ناگفتہ بہ حالات کی نشاندہی کی ہے۔اس پرکان دھرنے کی ضرورت ہے وگرنہ میرتقی میر کے بقول

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشم گریہ ناک
مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا۔ 9

آج بھی یہی آہ وزاری،بے بسی،لاچاری ہم پر مسلط ہے۔ہم اپنے مسائل سے لاپرواہو کر خواب گوش کے مزے لے رہے ہیں، ہمارے آباؤ اجداد نے محنت و جفاکشی اوراعلیٰ اقدار کی جوروایات قائم کیں، ورثے میں علوم وفنون اور تحقیق وتدوین،ترجمہ اوراخذ واستفادے کے جو قابل قدر بے مثال نمونے وراثت میں چھوڑے ہیں وہ اغیار نے اپنا لیے ہیں اور ہم اُن کی چوکھٹ پر جبہ سائی اور دریوزہ گری کررہے ہیں۔ہم ورثے میں ملی ہوئی چیزوں کی حفاظت نہ کرسکے۔ہم خوفزدہ ہیں کہ وراثت کے ان چراغوں کو کیسے روشن کریں؟انیس ناگی نے اپنی نظم ''وراثت کا خوف''میں انھیں خدشات کا اظہار کیا ہے۔نظم ملاحظہ ہو،

وراثت کا خوف

چراغ روشن کروں تو کیسے؟
کہ میرے کھیسے میں سست باتیں، گئے دنوں کی صداقتیں
اور ہزار راتوں کی تیرگی ہے
جو راستوں پہ یوں ڈگمگانے لگی ہے جیسے
وفات سے قبل ہر ایک خواہش سنبھل سنبھل کر بکھر رہی ہو
چراغ روشن کروں تو کیسے؟
وہ کہہ رہا ہے: مدرسوں، مشین پرزوں، نئی کتابوں کے گرد پوشوں پہ جو لکھا ہے
وہ بے دلی کی علامتیں ہیں۔
دھواں اگلتی ملوں، دفاتر، زماں مکاں میں اسی کا سایہ
خود اپنے ہاتھوں سے خودکشی کے عذاب میں ہے۔
چلو عبادت گھروں میں جا کر بُرے خیالوں

فضول خواہش کے ہاتھ ابھی سے کاٹیں
یہی بہانے مری وراثت !
نہ جانے پھر کیوں کونپلوں کی مانند اگنے والی طویل نسلوں
کا نوحہ مرے لہو کو جگا رہا ہے
کسے بتاؤں زمیں کی راکھی مرا لہو ہے
زمین کا چشمہ چراغ روشن
یہی صدی ہے جو تجھ میں مجھ میں برتری کا سلام بن کر
دلوں سے دل تک اتر رہی ہے 10

انیس ناگی نے ''وراثت کا خوف'' کی آڑ میں جہاں اپنے باطن میں پنپنے والے نادیدہ خطرات کا ادراک کیا ہے وہاں ان کے من میں یہ خوف بھی دامن گیر ہے کہ اگر ہم نے حالات کے بگاڑ میں سدھار پیدا نہ کیا، آباؤ اجداد کے ورثے کا تحفظ نہ کیا، گئے دنوں کی صداقتوں پر اعتماد کرتے ہوئے ہزار راتوں کی تیرگی کا خاتمہ نہ کیا تو ہمیں کبھی ثبات حاصل نہ ہوگا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی بے اعتدالیوں، فضول رسموں، غیر ضروری خواہشوں کے سامنے بند باندھیں۔ تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے ایک اچھا اور تعمیری ماحول فراہم کر سکیں۔ یہی ان کی شاعری کا نوحہ ہے، یہی فریاد ہے، یہی پکار ہے، جو ان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہو رہی ہے۔ وہ آنے والی نسلوں کی سلامتی چاہتے ہیں۔ ان کے لیے ایک ایسا چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں جس کی لو تیز سے تیز تر ہوتی جائے اور جس کی روشنی سے تیرگی و جہالت کا خاتمہ ہو جائے۔ انیس ناگی، علامہ اقبال سے متاثر ہیں، اقبال کی نظم "حقیقت حسن" کے تتبع میں کہتے ہیں:

سلامتی کا یہ دور قائم !

یہ بات کل جو ہوا نے پتی، کنول نے پتھر، لرزتے پانی نے/ ساحلوں سے کہی
وہ ذروں کی پسلیوں میں اسی ولادت کی روشنی ہے
اس سے دائم اسی سے قائم یہ کارواں ہے
اُبھرتی قوموں کے مشغلوں میں، نئی نویلی عمارتوں کی سفیدیوں پر، کھلاڑیوں کے توانا جسموں کی نغمگی میں
مصوروں کے سلگتے رنگوں کے پیلٹوں پر وہ نقش دیکھو،
جو روشنی ہے 11

انیس ناگی کی شاعری رجائیت کی بازگشت ہے، یاسیت نہیں ہے، وہ کسی بھی لمحے بھی قوم کے رویے سے مایوس نہیں ہیں البتہ پریشانی ان کے لہجے سے جھلکتی ہے۔ جس کا اظہار ان کے شعری مجموعے "نوحے" میں بدرجہ اُتم

دکھائی دیتا ہے۔''نوحے'' انیس ناگی کا تیسرا شعری مجموعہ ہے ان نظموں کی ہیت پابند کی بجائے آزاد نثری نظم کا آہنگ لیے ہوئے ہے۔اس میں 18 نوحے اور 11 نظمیں ہیں۔یہ نظمیں اس دھرتی کے باسیوں کا نوحہ ہیں۔ آلام و مصائب کی داستان ہیں، زخم خوردہ انسانیت کی ترجمان ہیں، سینہ کوبی ہے، ماتم ہے، سسکتی بلکتی انسانیت کے لیے ڈھارس ہیں حوصلہ ہیں، رجائیت کا پیغام ہیں، یہ نظمیں کسی ایک براعظم میں بسنے والوں کے مسائل والمیوں کو اجاگر نہیں کرتیں بلکہ دنیا کے معلوم براعظموں میں بسنے والے انسانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔انیس ناگی نے بڑے غیر محسوس انداز میں انسانی کوتاہیوں، منفی قوتوں، کوتاہ بین اقتصادیات، کسب معاش، قرن در قرن، نسل در نسل رزمگاہوں، درسگاہوں اور دفتروں کے کم عیار افسروں کی تاجرانہ اور ساحرانہ مسکراہٹ کے جال دلفریب میں پھنسے والے رنگ و نسل سے مبرا بلا امتیاز لوگوں کے جذبات کو زبان بخشی ہے۔انہوں نے ان تمام حالات کو اپنی ذات کے آئینے میں دیکھا ہے، پرکھا ہے، سوچ بچار کی ہے، اپنی باطنی کشمکش کو لفظوں کی چھاگل میں ڈال کر، نثری نظموں کی قبا میں مرصع کر کے معاصر نقادوں کی دشنام طرازی سے بے نیاز ہو کر، جس سلیقے اور آہنگ کے ساتھ پیش کیا ہے، یہ اپنی مثال آپ ہے۔انیس ناگی نے دوسروں سے ہٹ کر نظموں کے لیے جو نرالی اور جدت آمیز راہ اپنائی، بتدریج شاعروں کا ایک گروہ ان کا ہمنوا بن گیا۔بقول شاعر:

ہم اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل مگر
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جیلانی کامران ''نوحے'' کی نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان نظموں کے باطن سے انیس ناگی ایک سچے شاعر کے روپ میں ظاہر ہوا ہے......یہ شاعر ایک عجیب وغریب، بدلتی ہوئی، گہری اور منقسم دنیا میں اپنے مشن سے پوری طرح آگاہ ہے اور اس دنیا کو اپنے اس مشن میں شریک کرنے کا خواہش مند ہے۔اس ذمہ داری کے اظہار کے لیے ''نوحے'' کی یہ نظمیں ایک طاقتور ذریعہ بن کر ظاہر ہوئی ہیں۔ان نظموں کا محاورہ، ہواؤں، تہذیبوں، موسموں، شہروں اور براعظم کا محاورہ ہے''۔یہ نظمیں تاثر کی کہانی ہیں اور اس تاثر میں ان نظموں کا پیغام ہے...... یہ نظمیں دل کو مجروح نہیں کرتیں اور نہ روح پر وزنی گناہ کی طرح نازل ہوتی ہیں ان کا اثر ایک ناشناسا آشنائی کا ہے اور جب ہوائیں بحر المتوسط یا صحرائے اعظم کی جانب سے آتی ہیں تو ساتھ قدموں کی آہٹ لاتی ہیں اور زمانے کے مزاج پر نئے حروف کو نمایاں کرتی ہیں۔انیس ناگی نے ان نظموں کے ذریعے زمانے کا نیا زائچہ پیش کیا ہے''۔12

اس نئے زائچے میں جولسانی آہنگ ہے، ردھم ہے، الفاظ کو برتنے کا سلیقہ ہے، الفاظ کا جو دروبست ہے،

نشست و برخاست ہے، محاورات، تراکیب، مرکبات، تلمیحات و استعارات کا خوبصورتی سے استعمال ہے، وہ معاصر نثری نظموں میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ سعدیہ جاوید اس ضمن میں لکھتی ہیں:

''انیس ناگی کی نظمیں تیزی سے بدلتے ہوئے منظر نامے کی عکاس ہیں انسان کی انسان کے ہاتھوں بے بسی، منافقت، منافق معاشرے میں فرد کے داخلی تضادات کی عکاسی، نثری نظم کے خدوخال کو ایک وقار، پختگی اور متانت عطا کرتے ہیں''۔13

انیس ناگی کو یہ وقار، پختگی اور متانت کی منزل پانے میں طویل مسافت کا سامنا کرنا پڑا ہے، انہیں تخلیق کے جس عذاب سے گزرنا پڑا ہے، جو جگر کاوی کی ہے، خزاں رتوں کا عذاب سہا ہے۔ یہ تمام عناصر ان کی نثری نظموں میں سمٹ آئے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''غیر ممنوعہ نظمیں'' ہمارے معاشرتی اقدار کی تبدیل ہوتی صورتحال کا منظر نامہ ہیں۔ ''غیر ممنوعہ نظمیں'' ہمارے عہد کی سیاسی گھٹن، جبر، ناانصافی، بے ہنگم زندگی، غیر متوازن رویے اور عدم برداشت کا بیانیہ ہیں۔ ایسا بیانیہ ہمارے معاشرے میں فرد کے لیے تو شاید قابل قبول ہو لیکن بین الاقوامی سطح پر اس کی Justification نہیں کی جا سکتی ہے۔ وہاں حقیقت سے آنکھیں چرانا ممکن نہیں جبکہ یہاں حقیقت سے آنکھ ملانا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرتی آسودگی ناپید ہے۔ زندگی کی معنویت تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس ساری صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے یوسف کامران لکھتے ہیں:

''انیس ناگی کے نزدیک کون و مکاں میں بنائے تغیر کے سب معجزے بے اثر ہو چکے ہیں، شش جہات کے علوم چراغ راہ نہیں بن سکے، عصر حاضر ثروت کی پرورش میں متاع ہستی لٹا رہا ہے، حقیقتوں کے ظہور کا دن کسی مدار میں نہیں ہے، جو عذاب مسلسل سے زندگی کو نجات دلا سکے۔ آدمی کا زوال، تاریخ کی جبریت، نظام ثروت کے خلاف احتجاج، عدم تحفظ اور حصول رزق کے لیے انا فروشی، اور اس صورت حال سے پیدا شدہ انفرادی اور اجتماعی کرب، اس شعری مجموعے کا خاصہ ہے''۔14

انیس ناگی تقسیم ہند کے بعد جس تبدیلی کے سنہری خواب سجائے مہاجرت کا دکھ سہہ کر کے پاکستان آئے، وہ اس کے درودیوار کو بلند سے بلند تر کرنے کا معجزہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ اب اسے بدقسمتی کہیے یا مشیت ایزدی کہ قائداعظم بھی جلد ہی عدم کو سدھار گئے اور دیگر رہنما قائداعظم کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے سے قاصر رہے۔ ملکی مفادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی اور گروہی مفادات کی آبیاری کی بدولت ہم آزادی کے مقاصد حاصل نہ کر پائے۔ علوم و فنون کو ترقی نہ دی جا سکی، صنعت و حرفت کی طرف عدم توجہی، کساد بازاری اور معاشی بدحالی نے پھول جیسے تروتازہ چہرے مرجھا دیے۔ انیس ناگی جو خود اس اذیت ناک صورتحال کے شاہد تھے، نے بزبان قلم، مفلس، نادار، مظلوم طبقے کے جذبات کو تخلیقی صورت میں پیش کر کے اپنا کتھارسس کیا اور نئی شاعری کے لیے اینٹ گارے کا

سامان مہیا کیا۔انیس ناگی کی نظم ''وہ ہاتھ جوکل'' کی چند لائنیں دیکھیے ،نوجوان نسل جو بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ ہے،کی عکاسی کی گئی ہے:

''اے خدا! میری دیانت اور ہنر، تعلیم کے سولہ برس
ان سنگ دل مکار لوگوں کے شکم میں کھو گئے ہیں
اس طرح فٹ پاتھ پر دوران سر کے ساتھ
میں نے عورتوں اور بکریوں کو رسم کی قربانگاہوں پر
خمیدہ سر، چتا میں جلتے دیکھا
دفتروں میں مطلبی اور دولسانی افسروں کو
اہلکاروں کو بگڑتے دیکھ کر
چپ چاپ میں نے جنگلوں کی راہ لی'' 15

مذکورہ نظم کی سطور میں شکم ،فٹ پاتھ ،خمیدہ سر، چتا، دولسانی علامتیں ہیں۔ان کے باطن میں چھپی حقیقت کو جاننے کے لیےنظم کی ایک سے زیادہ مرتبہ قرات ضروری ہے۔تبھی جا کر شاعر کے ذہن میں جھانکا جاسکتا ہے کہ ان سطور کے بین السطور کیا پوشیدہ ہے۔ایک ایک سطر کئی پرتوں میں ملفوف ہے۔ہر پرت کے نیچے ایک نیا مفہوم آپ کے لیے تحیر کا باعث ہے۔یہ شاعر کا وجدان اور تخلیقی وفور ہے کہ ایک سطر میں معنی کا سمندر مجتمع کر دیتا ہے اسی بنا پر نئی شاعری کی تفہیم آسان نہیں اور جب انیس ناگی جیسا شاعر جدت وندرت کے ساتھ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں علامتی انداز اختیار کرتا ہے تو اسے سمجھنا ایک عام قاری کے لیے مشکل ہے۔

ذیل میں انیس ناگی کا علامتی نظام پیش خدمت ہے: جوایک نئے لسانی لہجے کی نمائندگی کرتا ہے:

عمومی جہالت، سمندر کا تنفس، جدلیاتی اختلال، نسائی تمکنت، جدلیاتی اضمحلال۔دریدہ لباس۔تہذیبی انتشار، اصطرلابوں، مرزبوم، ناگفتہ حاجتوں، برہنہ تلوار، سیاہ روسگرٹوں، بے بصر بھکاری، ارغوانی شراب، باتوں کے پیرہن، مکانی جدول، فکر مجرد، دراوڑ، فارملین، خونی رعنائیوں، رسم بیوگی، زردرو زُوجائیں، بے ڈول ہنسی، پژمردگی کے جال، کسالت، شہر بے ثبات، رستے گھاؤ، قلم کی چرچراہٹ، حریصانہ اشتہا، لوح مسلسل، زمین کی دریدگی، قرطاس ابیض، آتش فشاں کے آبلے، رات کے معدن، خاکدان جسم، مشت خاک۔عیار وقت، واقعات عصر، اونگھتی سڑک، آہنی عمارتوں، حروف تہجی کی چھتیس گلیاں، شداد کی فردوس، نقیب حرماں و بے دلی، نشیب زندگی حقوق تازہ، جہاد پیہم، عروسی ہستی، فراغ آدم آفتاب حیات پرور، شکم شب، عذاب پیہم، فنا کی یورش، بھنبھناتی صداؤں، قرص نان جویں، اختلال دل و جان، گوش ساعت، بہیمانہ لذت، کاہش فکر سوئمبر رچانا، فلزاتی جہنم، شقاوت کی تیرگی، مرطوب لب، عریاں صداؤں، چشم خورشید، جسموں کے تابوت، شش جہات، واردات ہست،

سفید برہنہ کمر،خزاں کی پیلی ردا، ہزیمت کا عکس،سوادشام،مشت خاک، رنگ وبو کی کہکشاں، جام مسرت، بادبان ہوا،عیسیٰ نفس، جوش نمو، آتش زیر پا،شیون شاعر بے نوا، حرف تو قیر، تشکیک وتشویش، ابلتے تمدن،نقش باطل،لوح بدن،اشتہا کا الاؤ، باب عبرت، گردش ایام، وفائے آدمیت،محراب لالہ زار۔

نئی شاعری کی ترویج میں لفظوں کا علامتی نظام کلیدی اہمیت کا حامل ہے ان علامتوں کے باطن میں جھانکے بنا انھیں سمجھنا آسان نہیں۔انیس ناگی کے سارے شعری مجموعے نئی شاعری کے خدوخال نمایاں کرتے ہیں۔ اب یہ سارے شعری مجموعے کلیات کی شکل میں ''زردآسمان'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔انیس ناگی نے 1960 سے 1978 تک شاعری کی صورت میں جو تحریر کیا وہ ان کے تجربات ومشاہدات کی صورت میں تخلیقی عمل کا عمدہ اظہار ہے۔عبدالرشید''زردآسمان'' کے''دیباچہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''بشارت کی رات'' ابتدائیہ تھا۔موضوع کی تلاش، ہیت، بدلے ہوئے رجحانات اور زبان کا، اس کتاب میں جا بجا ایسے اشارے موجود ہیں جو نئی شعری لسانیات کی دریافت کے ابتدائی مراحل کو سامنے لاتے ہیں...... غیر ممنوعہ نظمیں اس تجربہ کی توسیع کرتی ہیں، شہر کے منافقانہ رویوں، طبقاتی تقسیم، نیکی اور بدی کی دوغلی اقدار، سطحی مذہبی ستر پوشی کے پیچھے گہری خودغرضی کی چال، شہر کی تاجرانہ آب و ہوا میں جنس و مال کا نیلام محرومیاں ہزیمتیں، پیسہ اور صنعت کے مقاصد کے درمیان جنگ، اسی آب و ہوا میں انیس ناگی کی نظمیں اپنا تارو پود قبول کرتی ہیں۔جوانی ملازمت اور خون کے رشتوں کے درمیان بہیمانہ سیاسی چالیں، شاعر اس دانستہ دار و جبر کے درمیان، انتخاب اور آزادی کی قدر و قیمت کے معنی پہنچاتا ہے اور یہیں سے تنہائی اور اجنبیت برآمد ہوتے ہیں......''نوحے'' ہمارے عہد کی سیاسی اور معاشرتی صورتحال کے پیدا کردہ جبر اور انسانی اقدار سے پہلوتہی کرتے ہوئے معاشرے کا رزم نامہ ہے جبکہ''زردآسمان'' کی نظمیں سیاسی معاشرتی اور جسم کے ابتلا اور اس کی بدحالی کا رزمیہ ہیں''۔16

''زردآسمان'' انیس ناگی کی جملہ شاعری کا کلیات ہے ان کی شاعری کو نئی شاعری کا ابتدائیہ کہہ سکتے ہیں۔1947 سے لے کر پاکستانی نظم میں جو رجحانات شامل ہوئے، جس طرح مغربی تحریکات نے اردو نظم کو متاثر کیا، یہ تمام اثرات پاکستانی معاشرے میں لکھی جانے والی نظموں میں بخوبی تلاشے جاسکتے ہیں نئی شاعری کا مطالعہ زبان وبیان، موضوع، مواد اور علامتوں کے پیرائے کے حوالے سے اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے۔ناگی کا یہ کلیات ایک نئی تبدیلی کا آئینہ دار ہے۔یہ نظمیں ان کی تنہائی کے کرب کی چغلی کھاتی ہیں۔ہجوم میں رہتے ہوئے معاشرتی کرب اور انسانیالمیوں پر خامہ فرسائی کرنا اور تخلیقی رو میں بہہ کر حقیقی تصویر پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا، انیس

نا گی نے کنج تنہائی میں بیٹھ کر پورے عالمی معاشرے کے دکھ درد کو سمجھا، بارود کی بو سے سلگتی آبادیوں، قحط سالی میں مبتلا سسکتی بلکتی انسانیت کی آہوں، کراہوں، عیار و مکار سرمایہ دار نظام کی قباحتوں کو محسوس کیا اور پھر اس ساری تصویر کو لفظوں میں ڈھال کر نئی شاعری کے روپ میں پیش کر دیا۔ اس سفر میں انیس نا گی اکیلا نہیں، ان کا ساتھ دینے والوں میں افتخار جالب، قمر جمیل، سعادت سعید اور دیگر شعرا کی ایک پوری کھیپ ہے، جنہوں نے نئی شاعری کو اپنے خون سے سینچا۔

## حواشی

1. شمیم احمد، جدیدیت اور نئی شاعری، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008ء)، ص:7
2. جدیدیت اور نئی شاعری، ص:430
3. انیس نا گی، زرد آسمان، (لاہور: جمالیات، 1985ء)، ص:281
4. احتشام علی، مابعد جدید حسیت اور معاصر اردو نظم، مضمون مشمولہ ''بنیاد''، سالانہ مجلّہ دراسات اردو، گرمانی مرکز زبان و ادب، جلد6، 2015ء LUMS، لاہور، ص:432
5. جدیدیت اور نئی شاعری، ص:384
6. بیسویں صدی میں اردو نظم، شمیم کاف نظام، مشمولہ بیسویں صدی میں اردو ادب مرتبہ، گوپی چند نارنگ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008ء)ص:121
7. انیس نا گی، بشارت کی رات، (لاہور: مکتبہ ادب جدید، 1968ء)، ص:14
8. ایضاً، ص:47
9. بحوالہ معاصر ادب، ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1991ء)، ص:264
10. وراثت کا خوف، مشمولہ بشارت کی رات، ص:39
11. انیس نا گی، بشارت کی رات، ص:39
12. جیلانی کامران، نوحے کا دیباچہ، مشمولہ ''نوحے'' انیس نا گی، (لاہور: بک سٹیٹ، 1976ء)، ص:57
13. سعدیہ جاوید، نئی شاعری۔۔۔۔ ڈاکٹر انیس نا گی، مشمولہ تحقیق نامہ، 17، جولائی 2015، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص:296
14. یوسف کامران، دیباچہ ''غیر ممنوعہ نظمیں''، انیس نا گی، لاہور، 1973، ص:2
15. انیس نا گی ''نظم وہ ہاتھ جو کل'' زرد آسمان، (لاہور: جمالیات، 1985ء)، ص:264
16. انیس نا گی، زرد آسمان، (لاہور: جمالیات، 1985ء)، ص:300